قرآن کریم اور اتحادِ امّت کے مسائل

الطاف احمد اعظمی

یہ بات بالکل واضح ہے کہ آج امتِ مسلمہ میں فکری اور عملی اتحاد و تفاق کے بجائے سخت اختلاف و انتشار ہے، اور اس اختلاف کے نتیجے میں وہ مختلف فرقوں اور مسالک میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ہر فرقہ اور مسلک کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف وہ حق پر ہیں اور بقیہ لوگ ناحق پر۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو گم راہ قرار دیتے ہیں۔

یہ اختلاف وتشتت اُمت میں کیوں پیدا ہوا، اس اختلاف کے ذمّہ دار کون لوگ ہیں، اور کیا اس اختلاف کا ازالہ ممکن ہے؟ اس مضمون میں انھی تین سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں جب ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی امتوں بالخصوص یہود و نصاریٰ میں شدید نوعیت کا مذہبی اختلاف رہا ہے اور آج بھی ہے گو کہ اب اس میں ماضی کی سی شدت باقی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ. (سورۂ بقرہ/۱۱۳)

یہود کہتے ہیں کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں (یعنی وہ گم راہ ہیں) اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہود کسی چیز پر نہیں، حالانکہ یہ کتاب (یعنی تورات) پڑھتے ہیں (جس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ہے)۔

ان دونوں مذہبی فرقوں میں اختلاف اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ ایک فرقہ کا آدمی دوسرے فرقہ کی عبادت گاہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا حتّٰی کہ وہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کی

ویرانی و بربادی سے بھی احتراز نہیں کرتے تھے۔قرآن میں ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا. (سورۂ بقرہ/۱۱۴)	اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مساجد میں اس کے ذکر سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو۔

یہودی اور عیسائی خود آپس میں بھی متّحد نہیں تھے۔ان میں دین کی تفہیم اور اس کے عملی طریقوں کے بارے میں کئی طرح کے اختلافات تھے اور وہ متحارب فرقوں میں بٹ گئے تھے۔عیسائیوں کی فرقہ بندی اور مذہبی تشدّد کا ذکر کرتے ہوئے ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے:

> ''عیسائی علماء نے اپنی دنیوی اغراض کے حصول اور اپنی مذہبی قیادت کے استحکام کے لیے عیسائیوں کو متعدد فرقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔سینٹ اگسٹائن کے لکھنے کے مطابق اس وقت عیسائیوں میں ۸۸ فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے خلاف شدید نفرت کے جذبات رکھتا تھا۔اسکندریہ میں اکثر فرقہ وارانہ تصادم ہوا کرتے تھے۔ایک بار ایرین فرقہ کے بشپ نے اتھاناسیوس کے فرقہ پر حملہ کیا۔اس حملہ میں اس کی خانقاہ میں مقیم کنواری راہبات کو بے عزت کیا گیا،ان کے جسموں کو عریاں کرکے خاردار شاخوں سے خوب زدوکوب کیا گیا تاکہ وہ اس فرقہ کے عقاید سے تائب ہو جائیں۔اس کے بعد جب مصر میں کیتھولک فرقہ کو سیاسی غلبہ حاصل ہوا تو اس نے ایرین فرقہ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ان کو ہر طرح کے ظلم و تشدّد کا تختۂ مشق بنایا گیا۔مختلف عیسائی فرقوں میں نزاع کی وجہ سے ان کی خانقاہیں الگ الگ تھیں اور ایک فرقہ کا پیرو دوسرے فرقہ کی خانقاہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔''[1]

تاریخ اور قرآن دونوں کا بیان ہے کہ اس مذہبی اختلاف کے ذمّہ دار یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور مشائخ تھے۔اس اختلاف کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کی مذہبی کتابوں میں حق غیر واضح تھا۔وہ خوب جانتے تھے کہ حق کیا ہے لیکن اس علم و خبر کے باوجود انھوں نے مذہبی اختلاف پیدا کیا اور اپنی اپنی قوم کی ہلاکت کا باعث بنے۔

قرآن کے بیان کے مطابق اہل کتاب کے مذہبی اختلاف کی ایک بڑی وجہ ان کے مذہبی طبقہ کی دنیا پرستی تھی۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيراً مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَموالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ. (سورۂ توبہ/۳۴)

اے ایمان والو، (اہل کتاب کے) اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناروا طریقوں سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انھیں روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک سزا کی خبر سنادو۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث. (سورۂ اعراف/۱۷۵-۱۷۶)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال سنادو، جسے ہم نے اپنی آیات کا علم دیا تھا، پھر وہ اس کی پیروی سے نکل بھاگا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گم راہ لوگوں میں داخل ہو کے رہا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کا رتبہ بلند کرتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے لگا۔ پس اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے یا اس کو چھوڑ دے، (دونوں ہی حالتوں میں) وہ (اپنی حرص آلود زبان باہر نکالے ہوئے) ہانپتا ہے۔

اختلاف کی دوسری بنیادی وجہ علماء اور مشائخ کی ضد اور ان کی مذہبی تنگ نظری تھی۔

قرآن میں اس کو "بغی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بغی کیا تھی؟ ان کا ہر عالم اور فقیہ اس بات پر مُصر تھا کہ اس نے دین کا جو مفہوم سمجھا ہے بس وہ صحیح ہے اور دوسرے مفہومات بالکل غلط ہیں۔ اگر کبھی ان کا کوئی عالم محسوس بھی کر لیتا تھا کہ وہ غلطی پر ہے تو بھی ہٹ دھرمی، اپنے مخصوص مسلک کی طرف داری اور اپنے مذہبی مقام و منصب کے غرور میں مبتلا ہو کر نہ صرف ناحق کی حمایت کرتا تھا بلکہ اپنے ہم نواؤں کے ذریعہ سے فتنہ وفساد برپا کر کے اپنے مخالفین کے خلاف ہر طرح کی زیادتی کو جائز سمجھتا تھا۔ علماء کی اس بغی کا ذکر قرآن میں ایک سے زیادہ آیات میں آیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ. (سورۂ بقرہ/۲۱۳)

(شروع میں) سب لوگ کا دین ایک تھا، (پھر آپس میں اختلاف ہوا)، تب اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا، جو (اچھے اعمال کی عمدہ جزا کی) خوش خبری دینے والے اور (برے اعمال کی بدترین سزا سے) ڈرانے والے تھے۔ اور ان کو کتاب برحق عطا کی تاکہ لوگوں کے اختلافی امور میں (حق کے مطابق) فیصلہ کر دے۔ ان ہی لوگوں نے جن کو یہ کتاب دی گئی تھی (یعنی علماء)، محض باہم ضد کی وجہ سے اس میں اختلاف پیدا کیا، جب کہ ان کے پاس حق کے واضح دلائل آ چکے تھے۔

اہل کتاب کے مذہبی اختلافات اور اس سلسلے میں ان کے علماء اور مشائخ کے مذکورہ کردار کے پیش نظر مسلمانوں کو بار بار تاکید کی گئی کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے دین میں اختلاف وتفرقہ نہ کریں گے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ. (سورۂ آل عمران/۱۰۵)

ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے حق کے واضح دلائل آنے کے بعد (دین میں) تفرقہ و اختلاف پیدا کیا۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُواْ دِيْنَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَفْعَلُونَ. (سورۂ انعام/۱۶)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقہ فرقہ ہوگئے، ان سے تمہارا کوئی سروکار نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے، پھر (ایک دن) انھیں بتائے گا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔

ایک اور مقام پر واضح لفظوں میں براہ راست مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ دین کی وحدت کو قائم رکھیں اور اس میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ فرمایا ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ. (سورۂ شوریٰ/۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین ٹھہرایا ہے، جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور اسی کی وحی اس نے تمہاری طرف کی ہے، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا (اور وہ حکم یہ تھا) کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ جس چیز کی طرف تم انھیں بلا رہے ہو وہ مشرکوں پر بہت گراں ہے۔

لیکن اس تاکید و تنبیہ کے باوجود اقامتِ دین کے مفہوم کے تعین ہی میں اختلاف ہوگیا، حالانکہ سیاقِ کلام سے بالکل واضح ہے کہ آیت میں جس دین کی اقامت اور اس میں اختلاف سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے اس سے مراد دین توحید ہے۔ "کبر علی المشرکین" الخ کے الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اس واضح مفہوم کے باوجود بعض

علماء نے اقامتِ دین کو اسلامی نظام کے قیام کے معنی میں لے لیا۔ جن علماء نے آیت کے توحیدی مفہوم کو لیا وہ توحید کی حقیقت کی تعیّن میں مختلف ہوگئے۔ علماء ظاہر کی توحید اور صوفیہ کی توحید میں بہت فرق ہے۔ اہل بدعت توحید کا جو مطلب بیان کرتے ہیں وہ بالکل جداگانہ ہے اور اس کا ڈانڈا شرک سے مل جاتا ہے۔

غرض یہ کہ ہمارے علماء اور مشائخ نے نہ صرف تفہیمِ دین میں اختلاف کیا بلکہ مذہبی اختلاف کی ان تمام قدیم سنتوں کو تازہ کردیا، جن کا تذکرہ اہلِ کتاب کی مذہبی تاریخ میں ملتا ہے۔ ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر سے لے کر جنگ و جدل اور مساجد کی بے حرمتی تک کے واقعات پیش آچکے ہیں۔ ایک طویل دورِ مخاصمت کے بعد دوسری قوموں کے مذہبی گروہوں نے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے، لیکن مسلمانوں کے مذہبی گروہ آج بھی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مسلمانوں کے اس مذہبی اختلاف اور اس کی بنیاد پر فرقہ بندی اور جماعت سازی کی وجہ ٹھیک وہ ہے جس کا ذکر اہل کتاب کے مذہبی اختلافات کے بیان میں اوپر آچکا ہے، یعنی علماء کی بغی۔ قرآن لفظاً اور معناً پوری طرح محفوظ ہے لیکن اس کے باوجود تشریح دین میں اختلاف اور پھر اس کی بنیاد پر گروہ بندی حیرت انگیز ہے اور افسوس ناک بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر اکابر علماء خواہ ان کا تعلق کسی مکتب فکر سے ہو، اس راست بازی اور ذہنی دیانت سے محروم ہیں جو کبھی علماء ربانی کے اوصاف رہے ہیں۔ برٹرینڈ رسل نے عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں کی اخلاقی زندگی پر جو تبصرہ کیا ہے وہ مسلم علماء پر بھی پوری طرح صادق آتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ”میں تو یہاں تک سوچا کرتا ہوں کہ بعض اہم نیکیاں مذہب کے علم برداروں میں نہیں ملتیں، وہ ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جو مذہب کے باغی ہوتے ہیں۔ ان میں سے دو نیکیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور وہ راست بازی اور ذہنی دیانت ہے۔ ذہنی دیانت سے میری مراد پیچیدہ مسائل کو ثبوت اور شہادتوں کی بنیاد پر حل کرنے کی عادت ہے... جب دو سائنس دانوں کے درمیان اختلاف

ہوتا ہے تو وہ اختلاف کو دور کرنے کے لیے ثبوت تلاش کرتے ہیں۔ جس کے حق میں ٹھوس اور واضح ثبوت مل جاتے ہیں وہ راست قرار پاتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ سائنس داں ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں سے کوئی بھی خود کو بے خطا خیال نہیں کرتا۔ دونوں سمجھتے ہیں کہ وہ غلطی پر ہو سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب دو مذہبی علماء میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ دونوں اپنے آپ کو مبرا عن الخطا خیال کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک کو یقین ہوتا ہے کہ صرف وہی راستی پر ہے۔ لہٰذا ان کے درمیان فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ بس یہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔'' [۲]

اُمّتِ مسلمہ کے موجودہ مذہبی اختلافات کو ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ مسلمان اس چیز کی طرف لوٹیں جس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ان میں اختلاف و انتشار پیدا ہوا ہے، یعنی قرآن مجید، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

وَاعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ. (سورۂ آل عمران/۱۰۳)

تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ میں نہ پڑو (یعنی باہم نااتفاقی مت کرو)

خدا کی کتاب میں یہ آیت صدیوں سے موجود ہے لیکن ایسا کیوں ہوا کہ مسلک و نظریہ کے علم برداروں کی نظروں سے یہ آیت مخفی رہی، یا انھوں نے دیدہ و دانستہ اس سے چشم پوشی کی ہے۔ مذکورہ آیت میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ ''حبل اللہ'' کو مضبوطی سے پکڑو اور باہم اختلاف کر کے گروہ بندی نہ کرو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے نتیجے میں تفرقہ پیدا ہوگا، جیسا کہ مسلمانوں کے موجودہ مذہبی تفرقہ سے بالکل واضح ہے۔ اہل علم جانتے ہیں اور اس پر علماء اور اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ ''حبل اللہ'' سے مراد قرآن ہے، جسے متعدد آیات میں نور، برہان اور فرقان کہا گیا ہے۔

لیکن ''حبل اللہ'' سے اعتصام کا حق اسی وقت ادا ہوگا جب اس کے سوا دوسری تمام

چیزوں سے دست برداری اختیار کی جائے، خواہ وہ کسی نام سے دین کے اندر داخل ہوئی ہوں۔ اس دست برداری کے بعد تمام مدخولہ اشیاء کو قرآن کی میزان میں رکھ کر دیکھ لیا جائے۔ جو چیزیں اس سے مطابقت رکھتی ہوں ان کو لے لیا جائے اور جو اس کے مطابق نہ ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے۔

اب سوال یہ ہے اور یہ سب سے مشکل سوال ہے، کہ کون طے کرے گا کہ فلاں فلاں چیزیں مطابق قرآن ہیں اور فلاں فلاں چیزیں اس سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ ہر مسلک و نظریہ کے حامل علماء دعویٰ کریں گے کہ ان کا نقطۂ نظر ہی مطابقِ قرآن ہے۔ اور اس طرح مذہبی نزاع کا فیصلہ مشکل ہو جائے گا۔

اس مشکل کا ایک ہی حل ہے کہ مسلمان لامرکزیت چھوڑ کر جس میں اس وقت امت مبتلا ہے، ایک ملّی مرکز پر آ جائیں، یعنی اپنا ایک متفق علیہ امام اور ایک مجلسِ شوریٰ بنائیں، جیسا کہ انھیں حکم دیا گیا ہے (سورۂ شوریٰ/۳۸) اسی امام اور اس کی مجلس شوریٰ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دین کی تشریح و تعبیر کرے اور اس فیصلہ کو بسر و چشم قبول کیا جائے۔ مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے انتخاب میں صلاحیت اور تقویٰ کو مدّ نظر رکھا جائے، یعنی انہی افراد کے ذمّہ یہ کام کیا جائے جو علمِ قرآن میں رسوخ رکھتے ہوں اور مخلص و متقی ہوں۔ (نساء/۵۸)

قرآن کے بیان کے مطابق اس کے نزول کی ایک بڑی غرض یہ تھی کہ مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان جو اختلافات پیدا ہو گئے تھے ان کا تصفیہ کرے (سورۂ نحل/۶۴) تو اب جب خود مسلمانوں میں مذہبی اختلاف واقع ہو گیا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا، تو اس کا تدارک کون کرے گا؟ ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ خدا کی کتاب کی روشنی میں وہ لوگ کریں گے جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے ذمّہ دار ہوں گے، یعنی امام اور اس کی مجلس شوریٰ، جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس سلسلے میں قرآن کی درج ذیل آیت واضح طور پر رہ نمائی کرتی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ	اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور اس
وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ	کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا.(سورۂ نساء/۵۹)

بھی جو تم میں سے صاحب امر ہوں (یعنی حاکم)، پھر اگر کسی معاملے میں تم باہم اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کے حولہ کرو، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہو، (اختلاف کے تصفیہ کے لیے) یہ سب سے اچھا طریقہ ہے اور باعتبار انجام بھی بہتر ہے۔

وفات رسول ﷺ کے بعد آیت ''فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ''میں ''وَالرَّسُولِ '' کا مرجع کون ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، حالانکہ اس کا مفہوم واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ''اولوالامر'' سے اختلاف کا فیصلہ اللہ کی کتاب کی روشنی میں کیا تو کھلی بات ہے کہ آپ کی وفات کے بعد یہ کام مسلمانوں کا امام خدا کی کتاب کی روشنی میں اصحاب شوریٰ کی مدد سے انجام دے گا۔[۳۱]

عصر حاضر میں امام اور مجلسِ شوریٰ کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی مسلمانوں کے مذہبی اور غیر مذہبی اختلافات کا ازالہ مشکل ہوگیا ہے۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ مسلمان موجودہ تفرقہ سے اوپر اٹھ کر اپنا ملّی مرکز قائم کریں یعنی امام اور مجلسِ شوریٰ۔ بہتر یہ ہوگا کہ پہلے مجلس شوریٰ قائم ہو اور پھر اسی مجلس کے ارکان امام کا انتخاب کریں۔ امام اس شخص کو بنایا جائے جو دین کے ساتھ دنیا کے معاملات کی بھی کماحقہٗ سوجھ بوجھ رکھتا ہو، بالفاظ دیگر دوربیں، جری اور معاملہ فہم ہو۔ (سورۂ بقرہ/۲۴۷)

راقم قنوطی نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے اربابِ معاملہ بالخصوص مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کی علمی اور اخلاقی زبوں حالی کے پیشِ نظر ممکن نظر نہیں آتا کہ وہ موجودہ مذہبی گروہ بندی کو ختم کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ بہر حال، اتحادِ اُمت کا خواب اسی صورت میں شرمندۂ تعبیر ہوگا جب مسلمانوں کے تمام مذہبی گروہ اور جماعتیں جملہ اختراعی وسائط کو چھوڑ کر ''حبل اللہ'' کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اور یہ اعتصام اس طریقے سے ہو جس کی تفصیل اوپر کی گئی ہے۔

حواشی ومراجع

1) History of Intellectual Development of Europe, John William Draper, London, 1864, Vol.I, PP.405-406

۲) لوگوں کو سوچنے دو، اردو ترجمہ، قاضی جاوید، ص۸۱-۸۶، بحوالہ ماہنامہ اشراق لاہور، جون ۲۰۰۵، ص ۳۷

۳) یہاں ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے جملہ معاملات کے ذمہ دار تھے۔ آپ ﷺ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے حاکم اور قاضی بھی تھے اور آپ ﷺ کا ہر فیصلہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔ وفات رسول ﷺ کے بعد امام مسلمانوں کا حاکم (اولوالامر) تو ہوگا لیکن قاضی نہ ہوگا۔ یہ حیثیت عدالت عظمیٰ کو حاصل ہوگی اور تمام غیر سیاسی نزاعات کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی، بشرطیکہ اسلامی ریاست قائم ہو، بصورت دیگر امام ہی تمام تصفیہ طلب امور کو دیکھے گا اور ان کا فیصلہ کرے گا۔

☆☆☆